شرکِ ''ہیومن ازم'' کی یلغار.. اور
امت کا طائفہ منصورہ

حالات کو سرسری انداز میں پڑھنا... واقعات میں ہی اٹک کر رہ جانا اور ان کے پیچھے متحرک عوامل کو نظر انداز کر جانا... خلقت کا عام شیوہ ہے۔ البتہ تعجب ہوتا ہے جب قوم کے سمجھدار بھی اشیاء کو دیکھنے اور دکھانے کے لیے ویسی ہی سطحی نظر اختیار کریں۔

بڑی ہی حیرت ہوتی رہی ہے اس لایعنی 'سنسنی' پر جو پاکستانی انتخابات کے حوالے سے ماحول پر چھائی رہی ہے اور بہت سوں کو 'دل تھام لینے' پر مجبور کر دیتی رہی ہے! ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر.. قوم کی 'قسمت جاگ اٹھنے' کی امید! اسلام پسندوں کے روٹھے نصیب پر 'زود پشیماں' ہونے کا شبہ! 'گنتی' کے بازار میں ''تول'' اور ''ترازو'' کی رِیت ہو جانے کی آس! شیر کو تیسری باری، بلا پھر کسی وقت، تیر واپس، اور فائل کلوز۔ ہاں مگر زندہ باد مردہ باد، گویا واقعتاً کچھ ہونے جا رہا ہے! وعدے، شکوے، طعنے، دکھڑے، حسرتیں جن کا کل تعلق پیٹ اور جسم سے اور یہیں دفن ہو جانے والی دنیا سے ہے۔ ارمانوں کی انتہا کیا ہے؟ 'قوم کا اصل مسئلہ' اور بار بار آنے والی 'لب پہ تمنا' کیا ہے؟ وہی روٹی۔ بجلی۔ آٹا۔ تنخواہیں۔ وافر رزق۔ دودھ اور شہد کی بہتی نہریں، اسی دنیا میں، اِنہی کفر اور اِعراض کی شرطوں پر اور اِسی شریعت سے منہ موڑ رکھنے کی قیمت پر..! مِمّا تُنبتُ الأرض منْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا![1] بڑا ہی تعجب ہوتا رہا ہے ستر سال سے دہرائے جانے والے اِس منظر میں کھُبے ہوئے خردمندوں پر، جو اُن خطیر واقعات کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی فرصت نہیں پاتے جو ایک عرصے سے افق پر دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں۔

دنیا سے قرآن کی حکمرانی غائب، اور دنیا کو امن اور آشتی کا گہوارہ بنا دینے کی فرحت افزا نویدیں... ایک سے ایک بڑھ کر عزم... اور ایک کے بعد ایک لیڈر!

آسمانی شرائع سے خالی اور سنسان کر دی گئی دنیا کو "ترقی و خوشحالی" کی منزلیں سر کرانے کے دجالی مژدے... اور ان کو ممکن بنانے کے لیے سرگرم دیو ہیکل پراجیکٹ اور کوہ قامت این جی اوز!

کاروبارِ حیات سے "خدا" کی بے دخلی.. اور اس کی جگہ پر انسانی 'ترقی و کمال' کا ظہور؛ اپنے بڑے بھائی (یورپ) کے نقشے پر... 'اِس بار' اچھی خاصی ممکن شکل میں، خاص طور پر روٹی کی فروانی کے معاملے میں...! "روٹی" جو کہ معاشروں میں آسمانی شرائع کو فارغ خطی دینے کا ابلیسی تدارک ہے اور دراصل خدا کی جانب سے ڈھیل اور دھکا ملنے کی ایک اندوہناک صورت، اور جو کہ یہاں پر آج تک ایک 'مستحکم حکومت' کی ضرورتمند رہی ہے؛ کیا معلوم اِس بار قوم کی قسمت جاگ اٹھے!

جس دنیا کو غربت، افلاس، بھوک اور کشت و خون سے نجات دلانے کی کوششیں اور دعوے ہو رہے ہیں، بیک وقت، اُسی دنیا کو قرآنی شریعت کی عملداری سے پاک کر دینے کے منصوبے پروان چڑھ رہے ہیں! بلکہ یہ دو الگ الگ منصوبے نہیں ایک ہی منصوبہ ہے: **ایک ایسی دنیا کی تخلیق جس میں بھوک اور افلاس کو باقی رہنے دیا جائے گا اور نہ آسمانی حوالوں کو۔** دونوں 'پسماندگی' کا شاخسانہ ہیں جس کے خاتمے کا وقت آچکا! اور اگر—ہزار کوشش اور منصوبہ بندی کے باوجود—غربت، افلاس، بھوک اور کشت و خون نہ ختم کرایا جاسکے (یا اس کوشش کے دوران اور بڑھ جائے!!!) تو بھی 'غربت' اور 'پسماندگی' مٹانے کے شور میں "آسمانی حوالوں" کا خاتمہ تو بہر حال کر ڈالا جائے۔ 'بھوک' سے پاک دنیا تخلیق ہو سکے یا نہ، "آسمانی حوالوں" سے پاک دنیا کا وجود بہر صورت یقینی بنایا جائے۔ انسان کہیں پر بھوکا، ننگا اور مفلوک الحال ہو تو بھی خدائی کے

منصب پر فائز ضرور ہو؛ مستقل بالذات، آسمان سے بے نیاز! جو اپنے فیصلے زمین پر آپ کرے اور آسمان والے کو ایسی ہر قسم کی زحمت سے سبکدوش کر دے۔

دنیا کو آسمانی حوالوں سے پاک کرنا اصل منصوبہ ہے۔ روٹی 'پیکیج' کا حصہ ہے... پھر بھی اِس کی کوشش کی جائے گی یقین دہانی ممکن نہیں! آخرت ہاتھ سے دینا ضروری ہے البتہ دنیا پانے کی ضمانت آپ کو کوئی نہیں دے سکتا! 'بھروسے' کے سوا چارہ نہیں خدا پر کر لیں یا ابلیس پر!

لہٰذا... سیلز مین شپ زور 'روٹی' پر رکھے گی اور سب رونے 'روٹی' کے رُلائے گی، سب دکھڑے 'روٹی' کے سنائے گی، مگر کل توجہ انسان کو "خدا" بنانے پر مرکوز رکھے گی؛ ایک مستقل بالذات درندہ جو پڑھ لکھ کر پہلے سے زیادہ خطرناک اور مغرور ہو گیا ہے... اور جو "خدا" کو اپنی دنیا سے باہر یا، اگر وہ یہاں رہنے پر مصر ہی ہے تو، عبادت خانوں میں قید کر دینے کی مار پر ہے اور کچھ صدیوں کی محنت کے بعد زمین میں اچھی خاصی پیش قدمی کر آیا ہے؛ ایک گلوبل نمرود؛ ایک ملٹی نیشنل قارون؛ جس کی جکڑ میں دین، اخلاق اور اعلیٰ قدروں کا پنپنا تو خیر بھول ہی جائیں، معیشت، تعلیم اور صحت تک کی سانس گھٹ جاتی ہے اور جس کی گرفت میں آنے کے بعد انسان کے بنیادی ترین رشتوں کے گلے پر چھری پھر جاتی ہے؛ اور جہاں انسانیت کے لیے چیخنے چلانے تک کی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ یہ چھری اس کے گلے پر "انسان" اور اس کے "حقوق" کا نام پڑھ کر ہی پھیری جاتی ہے۔ یہ منصوبہ، جو درحقیقت "ہوس اور سرمائے کی عبادت" ہے اور زمین پر انسان کے "قیوم self-subsisting اور خود کفیل self-sufficient اور خود مختار independent ہونے" کا اعلان ہے (اور جس میں بالآخر انسان نے ہی انسان کی خوراک بننا اور بقائے اصلح survival of the fittest والے اُس قدیمی جنگل کے قانون نے ہی جیت کر دکھانا ہوتا ہے، لہٰذا کمزوروں

کے حصے میں یہاں کراہنے اور مرگِ مفاجات پانے کے سوا کچھ نہیں آتا، اور جو کہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ایک اندھے کو بھی نظر آسکتی ہے)... اِس 'ہوس پرست انسان' (سرمایہ دار درندے) کو آزاد کرنے کا یہ منصوبہ جو 'انسانیت' (humanism) کے نام پر چلایا گیا، اب حیرت انگیز رفتار کے ساتھ آپ کے یہاں چوکڑیاں بھرنے لگا ہے۔ سب راستے اب اسی 'روم' کو جاتے ہیں؛ خواہ کسی شیر کی راہ سے جائیں یا اس کے لیے کسی چیتے یا بھیڑیے کا دامن تھام لیں یا کسی عمامہ بردار کے پیروکار ہو جائیں۔ سب اسی کی خدمت پر مامور... یا 'موقع' کے متلاشی۔

کون ہے یہاں جو اس نظام سے کفر کرتا ہو؟ جو محض نظریاتی حد تک ہی انسانی خدائی کے اِس عالمی دجالی انتظام کے ساتھ برسرجنگ ہو؟ جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ عالمی ساہوکاری نظام ہر ہر ملک میں دستیاب "گنجائش" کو بہترین انداز میں کام میں لاتے ہوئے، وہاں کے لیے ایک مقامی روپ دھارتا ہے[2]، اور پھر اپنے "مکمل ظہور" کے لیے وہاں پر مسلسل جگہ بناتا چلا جاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ اپنے اِس عمل میں پیش قدمی کرتا ہے ویسے ویسے آپ اُس کے آگے پسپائی اختیار کرتے اور اپنی اکثر اشیاء سے دستبردار ہوتے چلے جاتے ہیں، کم از کم بھی یہ کہ اپنی ان اشیاء کو اُسی کے پیراڈائم میں رکھ کر دیکھنے دکھانے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے وجود تک کو اسی کے تناظر میں اور اُسی کے دیے ہوئے حوالوں سے پڑھنے اور پڑھانے لگتے ہیں... اور آخر اُسی کے گرداب میں گم ہو جاتے ہیں۔

بے شمار قومیں اب تک اس عفریت کی خوراک بن چکی ہیں البتہ ایک بھاری بھرکم نوالہ جو اس کے حلق میں پھنس چکا ہے اور جو کہ اس سے نگلا جا رہا ہے اور نہ وہ اسے اگلنے کے لیے تیار ہے، اور جس کا نام "عالمِ اسلام" ہے، اور جو کہ اپنے کچھ 'سرپھروں' کے دم سے اس عفریت کی باچھیں چیرنے اور اسکے حلق میں ڈائنامائٹ کے

چھوٹے چھوٹے نشتر لگانے کا سبب بن رہا ہے... اس کے لیے ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ وہاں کے سیانے یہ نشاندہی کرنے لگے کہ اس عفریت کی موت شاید اِسی "عالم اسلام" والے لقمے کو نگلنے کی کوشش کے دوران ہونے والی ہے جس پر اُسکی رال تو بہت بہی ہے اور جس میں لذت کا سامان بھی اُس کے لیے بے حد زیادہ ہے یہاں تک کہ اِسکو ہڑپ کرنے میں اُسے مدد دینے والے نام نہاد اسلامی دانشوروں کی اِک فوج ظفر موج پائی جاتی ہے... پھر بھی اِس اشتہا انگیز لقمے کے اندر کچھ ایسے نوکیلے کانٹے رکھ دیے گئے ہیں جن کو یہاں کی قدیمی اصطلاح میں "طائفہ منصورہ"[3] کہا جاتا ہے اور جن کے باعث اِس کو نگلنے کی کوشش اُس کے گلے کی پھانس بن گئی ہے یہاں تک کہ اُس کی اجل کا سامان بنتی نظر آرہی ہے۔

حضرات! اصل غلامی اور فی الحقیقت "ہڑپ ہونا" عسکری طور پر مفتوح ہونا نہیں، کیونکہ ایسے ادوار تو آزاد اقوام پر آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ اصل غلامی اور نیستی و نابودی یہ ہے کہ آپ کے قلوب اور اذہان ہی اُس کے فکری پیراڈائم کی بیڑیاں پہن لیں اور ان فکری بیڑیوں کو اپنے وجود کے حق میں زینت باور کرنے لگیں۔ ہاں یہ چیز موت سے بدتر ہے؛ کیونکہ عسکری میدان میں موت پانا شہادت ہے جس سے بڑھ کر شرف کی کوئی بات نہیں۔ البتہ فکری میدان میں موت پانا بدترین ہلاکت، جس پر آسمان روتا ہے اور نہ زمین افسوس کرتی ہے۔

اصل زندگی.. اصل حیات.. اپنے دین کی حقیقت پر اصرار کرنا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (الانفال:24)

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ رسول تمہیں ایک **حیات آفرین** چیز کی جانب بلاتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ اللہ آدمی کے اور اس کے قلب کے مابین حائل ہو جایا کرتا ہے، اور یہ کہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

اِس حیات سے ہی اصل اِحیاء ہے؛ اور اس سے دستبرداری اصل موت۔

آدمی حیران رہ جاتا ہے یہاں احیائے اسلام کی اُس جدوجہد پر جو پچھلی نصف صدی سے جاری ہے... ہمارا یہ احیائی عمل اپنے سب اسلامی حوالے یہاں کی نیشن سٹیٹس (قومی ریاستوں) کے حوالوں کے اندر فٹ کر کر کے خوش ہوتا رہا... جبکہ ہماری یہ نیشن سٹیٹس اپنے سب حوالے اس عالمی ساہوکاری نظام کے حوالوں کے اندر فٹ کر کر کے مطمئن ہوتی رہیں! (ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں)۔ نتیجہ یہ کہ آج آپ ('آپ' سے مراد اب قومی ریاستیں نہیں؛ وہ کہانی اب بہت پرانی ہوچکی، بلکہ خود اسلامی تحریکیں) نہ چاہتے ہوئے بھی اِس عالمی ساہوکاری عمل کا حصہ ہیں؛ آپ کی تمام تر گردش آج اسی کے فلک میں ہے؛ اور اسی کو موٹا تازہ کرنے کا ذریعہ۔ آپ نیشن سٹیٹ کی ملت میں گم، اور آپکی نیشن سٹیٹ اِس عالمی ملت میں گم!

یہاں آپ پر کھلتا ہے کہ ایک "نظریاتی بغاوت" اِس جہانِ نو کے اندر کس قدر ناگزیر تھی؛ اور "زندگی" پانے کے لیے آپ کی اور آپ کے دم سے پوری انسانیت کی کتنی بڑی ضرورت۔ یہاں آپ پر عیاں ہوتا ہے... کس شدت کے ساتھ یہ 'دور اپنے براہیم کی تلاش میں' تھا!

"توحید" درحقیقت آج کے اِس عالمی ساہوکاری دین سے کھلی بغاوت کر دینے کا نام ہے؛ وہ عالمی ساہوکاری دین جس کا ایک بھی حوالہ اختیار کرنا مسلمان کے حق میں موت تھا، مگر اس کے یہ مستعار حوالے ہمارے یہاں دھڑا دھڑ 'اسلامیائے' گئے اور اس کارگزاری achievement پر خوب خوب داد سمیٹی گئی، آخر ایک دن اپنی یہ فاقہ مستی رنگ لائی؛ ہمارا سب کچھ نیلام میں گیا اور ہم ایک لایعنی وجود کی طرح اس کی ڈیکور کا ناقابل ذکر حصہ ہوگئے اور اس نقطے پر پہنچے جسے بہت دیر پہلے کسی خردمند نے 'نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم' سے تعبیر کیا تھا۔

"عقیدہ" دراصل ہم جس چیز کو کہتے ہیں – موجودہ ملکی وعالمی تناظر میں – وہ اس عالمی شرک کے مقابلے پر ایک "کھلے انکار" کا نام ہے۔ وہی کھلی دوٹوک "لا" جس سے ہمارا کلمۂ توحید شروع ہوتا ہے۔ یہ عالمی شرک، جسے انسان پرستی یا انسانی خدائی Humanism کا نام دیا جاتا ہے اور جو کہ اپنا ظہور ڈیموکریسی، سیکولرزم، سرمایہ داری، آزادی، مساوات، فیمن ازم، اخلاقی قدروں کے قتل، رائے عامہ، عریانی، انارکی اور فری مارکیٹ اکانومی وغیرہ کے پورے ایک پیکیج کے ذریعے کرتا ہے، اور اس کی ایک چیز لے لینے کے بعد جلد یا بدیر آپ کو اس کی باقی چیزیں بھی لینا ہوتی ہیں؛ بلکہ اس کی ایک چیز اس کی دوسری چیز کی جگہ بنانے کے لیے ہی ہوتی ہے ('پِک اینڈ چوز کی آزادی' سے بڑا فریب اور اس سے بڑی سیلز مین شپ یہاں کوئی نہ ہوگی؛ جس پر حالات مسلسل گواہی دے رہے ہیں، یہاں تک کہ دل کے اندھوں بہروں کو چھوڑ کر اب یہ ہر کسی کو دکھائی اور سنائی دینے لگی ہے)... اِس عالمی دین کے آگے آپ کو ایک مکمل اِباء an absolute defiance اختیار کرنا تھی[4] اور اِس کو مسترد کرکے اللہ واحد قہار کی خدائی اور کبریائی کا اعلان اور اس کی عبادت اور بندگی کا اقرار اور تمام جہانی معاملات کو ایک اُسی کی شریعت کی جانب لوٹانا اور اُسی کی جانب تحاکم کا دستور اختیار کرنا اور خاص اِس بنیاد پر ملتِ شرک کے ساتھ ایک نہ ختم ہونے والا نزاع سامنے لے کر آنا تھا۔ اسی چیز کو ہم اپنی اصطلاح میں "عقیدہ" کہتے ہیں (اور اسی وجہ سے "عقیدہ" پر اتنا زور دیتے ہیں) کیونکہ اِس سارے عمل کی روحِ رواں بس یہی ہے کہ "جاہلیت کے ساتھ مخاصمت" اور "غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری وبراءت" ہمارے فکری وجود سے پھوٹ پھوٹ کر برآمد ہو رہی ہو۔

[1] "**زمین کی پیداکردہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ)**" (البقرۃ: 61) بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام سے 'مطالبات کی لسٹ'، جب وہ ان کو خدائی مشن پر لے کر چلنا چاہ رہے تھے اور جس میں سروری اور جہانبانی خود بخود آتی ہے بشرطیکہ وہ دین کی خاطر قربانیوں کا راستہ اختیار کر لیتے، مگر انکی فکر ترکاریوں، ککڑیوں، گیہوں اور لہسن پیاز سے آگے جانے والی نہ تھی! انجامِ کار مسور تو جیسے کیسے ملے ذلت اور دربدر کی ٹھوکریں انکا مقدر ٹھہرا دی گئیں۔ ان دربدر کی ٹھوکروں کیلئے آج ہمارے کچھ نابغاؤں کی چاہت بھی دیدنی ہے۔

[2] جبکہ اپنے عالمی حوالے پوری طرح برقرار رکھتا ہے (یو این چارٹر وغیرہ) اور وہاں پر البتہ کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا... اور یہاں سے وہ ایک عمومی معنیٰ میں آپ کو اپنے پیراڈائم میں پوری طرح جکڑ کر رکھتا ہے۔ چنانچہ اپنے عالمی حوالوں اور اصطلاحوں سے مدد لے کر ہی وہ دنیا میں اپنے یہ سب کرشمے انجام دیتا ہے۔

[3] "**طائفہ منصورہ**" کا ذکر متعدد احادیث میں آتا ہے۔ عقیدہ کی کتب بھی اس کے ذکر سے پُر ہیں۔ ہمارے دین میں اس طائفہ کے قائم ودائم رہنے کی باقاعدہ پیشین گوئی ہوئی ہے۔ مختصراً: یہ امت محمدؐ کا وہ خاص طبقہ ہے جو ہر دور میں باطل سے ہاتھاپائی کرے گا اور کبھی سرنڈر نہیں ہو گا۔ اسکے دو خصوصی محور ہیں: ایک وہ ٹھیٹ اصحابِ علم ودانش جو باطل کے فکری قلعے مسمار کرتے رہیں گے، اور ایک وہ مجاہدین جو بزور شمشیر باطل کے دانت کھٹے کرتے رہیں گے۔ اس طائفہ کو "منصورہ" اس لیے کہا گیا کہ اسے آسمان کی پشت پناہی حاصل رہے گی؛ نہ مخالفین کبھی اسکا بال بیکا کر سکیں گے اور نہ وہ گھر کے لوگ جو دشمن کے مقابلے پر اسکو بے یارومددگار چھوڑ دیں گے یا جو اِس جنگ میں دشمن کے طرفدار ہو جائیں گے۔

ہم اپنے الفاظ میں کہیں تو **طائفہ منصورہ**: اِس امت کے جسم میں فٹ کر دیا گیا وہ خودکار نظام جو باطل کے مقابلے پر اِس کی نظریاتی مدافعت اور اِس کی عسکری مزاحمت کو میدان میں لاتا رہے گا اور جو کہ، ازروئے احادیث، اِس امت کے جسد میں قیامت تک معطل نہ ہو گا؛ اور درحقیقت اس کو زندہ اور باقی رکھنے کا باعث ہو گا۔ حضرات! امتِ محمدؐ کا قیامت تک اپنی اصل پر قائم ودائم رہنا کوئی معمولی بات نہیں؛ اس حقیقت کا اصل راز اور روحِ رواں یہی برگزیدہ طبقہ (طائفہ منصورہ) ہے

جو اِس امت اور اِس کے عقیدہ کی خاطر باہر والوں کی بے تحاشا دشمنی بھی مول لے گا اور اندر والوں کی مسلسل جفاکاریوں کی بھی زد پر رہے گا، البتہ اس کی نظر خدا کے اجر پر رہے گی اور خدا کی مدد اس کی پشت پر۔ اِن احادیث کا عملاً متحقق ہونا خود آج ہمارے دور میں بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور اِن نبوی پیشین گوئیوں کا بالفعل پورا ہونا خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر سکتا ہے، والحمدُ لله الذي بعثَ محمداً بالحق وجعل رايتَه قائمةً إلى قيام الساعة۔

4 "مکمل اِباء"... اِس مسلکِ حق کے حامل لوگ آگے چل کر- منہجی طور پر- دو سکولز آف تھاٹ میں منقسم ہوتے ہیں:

1. ایک وہ فریق جو مسلم سرزمینوں میں جاہلیت کے زیر سایہ چلنے والے سب یا بیشتر اداروں سے نکل آنے اور عملاً گوشۂ عزلت isolation میں محصور ہو رہنے کو اپنے اس منہج کا حصہ ٹھہراتا ہے۔ یہ فریق معاشرے پر اثرانداز ہونے کی صلاحیت سے یا تو تہی ہوتا ہے یا وقت گزرنے کے ساتھ تہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے کچھ افراد جو معاشرے اور زندگی کی تشکیل و انتظام کرنے والے اداروں کو چھوڑ کر اسکی دعوت میں شامل ہوئے ہوتے ہیں اپنی سابقہ اہلیت کے دم سے معاشرے پر اثرانداز ہونے کی صلاحیت سے ضرور کچھ نہ کچھ لیس ہوتے ہیں مگر خود ان کی اگلی نسل جو معاشرتی عمل سے دور رہ کر جوان ہوئی ہوتی ہے نیز ان کی عمومی بھرتی اِس صلاحیت سے عاری اور اس کی اہمیت سے ناواقف ہوتی ہے، جبکہ اپنے اختیار کردہ عمومی منہج کے باعث یہ طبقے مجموعی طور پر سماجی تاثیر کی صلاحیت اور پوزیشن سے ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ **"عقیدہ" اور "پیراڈائم" کے معاملہ میں حق پر ہونے کے باوجود** یہ لوگ معاشرے میں کوئی ایکویشن equation نہیں بناپاتے اور سماجی طور پر غیر موثر و غیر متعلقہ رہتے ہیں، سوائے یہ کہ کسی محدود سے علاقے میں کسی آبائی یا قبائلی بنیاد پر ان کو عام آبادی یا اس کے معتدبہ حصے کی وابستگی اور پیروکاری حاصل ہو۔ {ایسی استثنائی صورت میں، خود ہماری نظر میں، اسلامی دعوت کو جاہلی اداروں سے دوری اختیار کرنے اور کروانے کا ہی منہج اختیار کرنا چاہئے اور خود اپنی راہنمائی اور نگرانی میں وہاں پر لوگوں کو زندگی کے زیادہ سے زیادہ شعبوں کے اندر ماڈل منصوبے بنا کر دینے چاہئیں اور اِس طریقے

سے حتی الامکان وہاں جاہلی بینکوں، سکولوں، درسی نصابوں، ٹی وی چینلوں و دیگر کمیونی کیشن اداروں، انشورنس کمپنیوں، سیکولر این جی اوز اور سیاسی و سماجی اداروں وغیرہ کے قدم لگنے میں آڑے آنا چاہئے اور ایسے سب کام شرعی بنیادوں پر خود کر کے دینے چاہئیں۔ بلکہ کچھ محنت کے بعد اگر وہاں پر کسی اسلامی قوت کے قدم جم جائیں، چاہے اُسکو وہاں پر حکومت نہ بھی حاصل ہو صرف عوامی پزیرائی اور حمایت حاصل ہو، تو مصالح اور مفاسد کو دیکھتے ہوئے حسب استطاعت اس (a state within the state) کے عمل کو توسیع بھی دینی چاہئے۔ یہ امکان بھی رد نہ ہونا چاہئے کہ کسی بڑے اسلامی احیاء کی بنیاد شاید خدا کو یہیں سے اٹھانا منظور ہو۔ دولۃ المرابطین جس نے فاطمی (در حقیقت عبیدی رافضی) خلافت کا تین سو سالہ ملبہ ہٹا کر شمالی افریقہ کے طول و عرض میں توحید کے پرچم لہرائے اور بالآخر اندلس کو بھی ایک طرح سے از سر نو فتح کیا تھا اور یوں ملتِ صلیب کو تین صدیوں تک کے لیے (اندلس سے) پیچھے دھکیل دیا تھا، اِس عمل کی زندہ مثال ہے}۔ تاہم چونکہ یہ صورت بہت محدود اور دور دراز خطوں (remote areas) کے سوا عام طور پر کہیں پیش نہیں آتی، اس لیے عمومی حوالے سے یہ منہج ہماری نگاہ میں قابل تجویز نہیں ہے۔ ہاں کچھ خاص خطوں میں جہاں ڈیموگرافی اور جغرافیائی محل وقوع واقعتاً اس کی گنجائش فراہم کرتا ہو، جیسا کہ ہم عرض کر چکے، ضرور اِسی منہج کو اختیار کرنا چاہئے۔

2. دوسرا فریق وہ ہے جو معاشروں میں قائم اداروں کو خالی کر آنا اور نتیجتاً گوشۂ عزلت isolation کا شکار ہو جانا بہر حال درست نہیں جانتا۔ معاشروں پر اثر انداز ہونے والے مراکز اور اداروں میں بدستور پایا جانا وہ سماجی عمل کا ایک حصہ جانتا ہے جو کسی وقت موقوف نہیں ہوتا اگرچہ وہ ادارے کفر کے زیر تسلط کیوں نہ آ گئے ہوں۔ یہ ان مراکز اور اداروں کے اندر باقاعدہ ایک سماجی جنگ لڑتا اور اپنی صلاحیتوں کو منواتے ہوئے وہاں پر چھاتا چلا جاتا ہے۔ یہ اُس کے فکری پیراڈائم کو مسلسل جوتے کی نوک پر رکھتا اور اس کو صاف ضلالت گردانتا ہے اور کسی ایک بھی معاملے میں اس کو اپنے لیے "حوالہ" نہیں ٹھہراتا، دستورِ محمدؐ کے سوا کسی دستور اور آئین کو سرے سے نہیں مانتا (اُس کا 'داعی'

بننا تو دور کی بات ہے) اور نصوصِ شریعت کے فہم یا تطبیق یا اِجراء کے مسئلہ کو علمائے شریعت کے علاوہ کسی نام نہاد 'اتھارٹی' یا 'پروسیجر' کی جانب لوٹانے کو باطل اور جاہلیت جانتا ہے۔ غرض حق کے تعین کے لیے یہ صرف اور صرف آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور ایک لچکدار سماجی وسیاسی تعامل a flexible social & political interaction کے باوجود دو ملتوں کا فرق نہایت نمایاں کر کے رکھتا ہے اور کسی ایک لمحہ کے لیے اسے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ البتہ سماجی وسیاسی وانتظامی اداروں کو، کفر کے زیر تسلط ہونے کے باوجود، کفر کی جاگیر نہیں بلکہ مشترکہ انسانی زمین سمجھتا ہے جو کہ کسی وجہ سے کفر کے زیر قبضہ آگئی ہے اور جس کے ساتھ فی الحال اِسے 'ڈِیل' کرنا ہے۔ یہ پوری ہمت اور پامردی کے ساتھ اور اپنی سیرت وکردار، شرافتِ طبع، دیانت اور حسنِ اخلاق سے کام لے کر، نیز دانشمندی، مواقع کے درست استعمال، صراحت، قوتِ دلیل، بلاغت، جرأتِ گفتار اور سماجی مہارت کے بل بوتے پر وہاں مسلسل اپنی دسترس بڑھاتا اور زیادہ سے زیادہ "سپیس" حاصل کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ کچھ دیگر دستیاب امکانات کو کام میں لا کر کسی وقت پورا پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ اِس عمل کی اعلیٰ ترین مثال یوسف علیہ السلام ہیں، جیسا کہ پچھلے شمارہ میں ہم نے امام ابن تیمیہؒ کے کلام سے اس کی نشاندہی کی تھی اور ہمارے حالیہ شمارہ میں بھی اس موضوع پر ایک مضمون شامل ہے۔ {حق یہ ہے کہ – عین اسی طرزِ عمل کے نتیجے میں حق کی اقامت کے حوالے سے – ملکِ مصر کے حصے میں ایک نہیں دو یوسف آئے۔ ایک یوسف بن یعقوب نبی اللہ علیہما السلام، جنہوں نے بادشاہِ مصر کی پیش کردہ یا اُس کے سامنے اپنی فرمائش کردہ ولایت قبول کی اور بالآخر مصر کو اسلام کی قلمرو بناڈالا۔ دوسرا یوسف بن ایوب (صلاح الدین بن نجم الدین ایوبیؒ)، جس نے فاطمی (عبیدی فارسی رافضی) خلیفہ کی پیش کردہ وزارت قبول کی تاہم چند سالوں کے اندر فاطمی خلافت کا پتہ صاف اور اس کا خطبہ موقوف کر کے نہ صرف پورے مصر پر سنت کا علم بلند کر دیا بلکہ صدیوں کے بعد وہاں پر خلافتِ بغداد کا خطبہ بحال کروایا اور آخر شام کو مصر کے ساتھ ضم کر کے حطین کے تاریخی معرکہ میں ملتِ صلیب کی کمر توڑ ڈالی، اور اس کے نتیجے میں آئندہ آٹھ سو سال کیلئے بیت المقدس اسلامی تحویل میں واپس لے کر دیا}۔ وہ خطے جو 'تہذیب' کا

گڑھ مانے جاتے ہیں اور جہاں پر جاہلیت کا پیدا کردہ فساد معاشرے میں خاصا گہرا سرایت کر چکا ہوتا ہے اور انسانی سرگرمی کو خاصا کنٹرول حالت میں رکھا گیا ہوتا ہے، ایسے (شہری) خطے بالعموم یہ ثانی الذکر منہج اختیار کرنے کے متقاضی ہوتے ہیں۔

چونکہ بالعموم یہاں پر ہمیں ایسی ہی ایک صورتحال کا سامنا ہے، لہٰذا اس ثانی الذکر منہج پر یہاں ہم کچھ مزید روشنی ڈالیں گے:

جیسا کہ ہم نے کہا، اِس منہج کی رُو سے معاشرتی عمل کے لیے قائم اداروں کو، اگرچہ وہ کفر کے زیرِ تسلط ہوں، ایک مشترکہ انسانی سرزمین کے طور پر لیا جاتا ہے۔ ان اداروں سے مکمل ناطہ توڑ لینے کے احکام یقیناً اِس فریق کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں مگر ان کی مطلق تطبیق اُس وقت ہوتی ہے جب خالص اسلامی ادارے وجود میں لے آئے گئے ہوں۔ ہاں جب اسلامی ادارے وجود میں آ گئے ہوں اُس وقت جاہلی اداروں میں جانا، خاص استثناءات کو چھوڑ کر، کفر اور معصیت ہی شمار ہو گا۔ البتہ جس وقت اسلام کے قائم کردہ اور اسلام کے زیرِ ہدایت چلنے والے کوئی ادارے ہی معاشرے میں وجود نہ رکھتے ہوں تو چونکہ انسانی زندگی کو معطل بہر حال نہیں کیا جا سکتا اس لیے انسانی نشاط کے مراکز اور اداروں کو مکمل طور پر چھوڑ دینے کے احکام بھی لاگو نہیں کیے جاتے بلکہ جزوی طور پر اور خاص حدود و قیود کا پابند رہ کر کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے ہم ان کو درمیانی مرحلے کے احکام کہتے ہیں اور علمائے سنت کے ہاں ان کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ("درمیانی مرحلہ" سے مراد وہ ادوار جب معاشرتی عمل کفر یا ظلم کے زیرِ قبضہ چلا گیا ہو، اس موضوع پر ہمارے پچھلے شمارہ کا مضمون "درمیانی مرحلے کے بعض احکام" ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)۔

"درمیانی مرحلے کے احکام" کے حوالے سے ہمارے علمائے شریعت فقہ اسلامی کے ڈائنامزم سے بہترین کام لیتے ہیں (تاہم معاملے کو خاصے موٹے انداز میں لینے اور فقہی باریکیوں کو نظر میں نہ رکھ پانے والے طبقوں کے لیے یہاں پر کچھ اشکالات بھی پیدا ہوتے ہیں اور وہ اِس منہج کو اُس فریق کے طرزِ عمل کے ساتھ ملا دیتے ہیں جو کفر کے پیراڈائم ہی کو اسلام کے پیراڈائم کے ساتھ خلط کرنے کا منہج اختیار کرتا ہے اور جس کے رَد پر ہمارا یہ پورا مضمون لکھا گیا ہے)۔ بہر حال یہ حق ہے کہ اِس منہج کے اختیار کرنے میں اچھی خاصی فقہی گہرائی درکار رہتی ہے اور یہاں عوام الناس کو اگر ٹھیٹ توحید کے حامل اہل علم و دانش کی راہنمائی حاصل نہ ہو تو جذباتی و سطحی بیں طبقوں کے لیے معاملہ کسی قدر 'سمجھ سے بالاتر' رہتا ہے، جیسا کہ اس وقت ہے۔ ("فقہ" عام آدمی کا کام نہیں، فقہاء کا اختصاص ہے)۔ یہ بھی ماننا چاہئے کہ ٹھیٹ علماء کی غیر موجودگی میں معاملہ واقعتاً کسی وقت وہ جاہلی

رخ بھی اختیار کر جاتا ہے جس کا رد کرنا خود ہمارے اِس مضمون کا مقصد ہے (ہدایت اور حق پر ثابت قدمی کے لیے آدمی کو مسلسل خدا رُخ رہنا ہوتا ہے؛ خدائی توفیق و استقامت سے استغناء کسی وقت ممکن نہیں؛ اور اپنے بارے میں ہمیشہ حق پر رہنے کی ضمانت نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا)۔ چونکہ اِس منہج کی عملی تطبیق فی الحال ہمارے اِس خطے میں نہیں پائی جارہی اور لوگ اس اول الذکر منہج سے ہی مانوس ہیں (جس میں عزلت اختیار کی جاتی ہے)، اور اصل میں تو لوگوں نے وہ منہج دیکھ رکھا ہے جو جاہلیت کے ساتھ نظریاتی سطح پر ہی بیچ کی راہ چلنے کا عادی ہے... لہٰذا ہمارے تجویز کردہ (درحقیقت دورِ حاضر میں علمائے توحید کی ایک بڑی تعداد کے اختیار کردہ) اس منہج کی بابت اَذہان کے اندر اشکالات کا پایا جانا ایک طبعی امر ہے۔ ہمارے خیال میں، جب تک کوئی جماعت اس منہج کو لے کر عملاً میدان میں نہیں اترتی تب تک اس کی بابت سوالات ختم نہ ہوں گے۔

چونکہ اِس عمل میں – درمیانی مرحلہ کے دوران – جاہلیت کے ساتھ ایک روزمرہ تعامل بہرحال کیا جاتا ہے.. گو اس کے عملی احکام کو فقہی پراسیس سے ہی کشید کیا جاتا ہے مگر اس کی سپرٹ کو صرف اور صرف عقیدہ سے حاصل کیا جاتا ہے، یعنی اس کی کل غذا عقیدہ میں ہے... لہٰذا اِس عمل کی تہہ میں 'عقیدہ'' کی تعلیم اور تلقین کا کام اس قدر گہرا لے جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور تعلیمِ عقیدہ و تذکیرِ ایمان کا یہ کام یہاں اس کثرت اور شدت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ دیکھنے سننے والوں کو "عقیدہ" پر یہ اتنی ڈھیر ساری توجہ ایک طرح کا غلو نظر آتا ہے۔ مگر اس عمل کی ساری جان اسی چیز کے اندر ہے لہٰذا اس کی شدت میں ہرگز کوئی کمی نہیں آنے دی جاتی۔ تربیت کے لیے لگائی گئی ٹکسال کو – نوجوانوں کو تیار کرنے کے عمل میں – اِس پہلو پر خاص نگاہ رکھنا ہوتی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ "عقیدہ" کے فہم اور رسوخ میں خاص درجہ کی پختگی کے بغیر اِس کوچے کا رخ ہی نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں قدم قدم پر وہ مقامات آتے ہیں جہاں اذہان اور افکار میں جاہلیت یا اہلِ جاہلیت کی جانب میلان ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے؛ اور خطرے کی گھنٹیاں کسی وقت خاموش نہیں ہونے دی جاتیں، کیونکہ یہاں سے قدم سرک جانا اسلام کے تحریکی عمل کے حق میں صریح موت ہے۔ خود قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اِس جانب انتباہ کیا گیا ہے۔ (مثل سورۃ الکافرون، بنی اسرائیل 74-75، الفرقان 52، القلم 8-9، عبس 1-10، الکہف 28، الانعام 121، یونس 15، ھود 112-113 وغیرہ)۔